# سہیل عظیم آبادی کی افسانہ نگاری

اردو ادب میں جن لوگوں نے ایسے ایسے نقوش چھوڑے جسے تاریخ کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ ان لوگوں میں سے ایک نام سہیل عظیم آبادی کا بھی ہے جو اردو ادب میں اپنی بے بہا خدمات کے سبب حیات ابدی حاصل کر گئے۔ آج وہ دنیا میں نہیں ہیں لیکن ان کے افسانے ان کو زندہ رکھنے کے لئے کافی ہیں۔

سہیل عظیم آبادی کی ولادت جولائی ۱۹۱۱ء میں پٹنہ میں ہوئی۔ اصل نام سید مجیب الرحمٰن ہے۔ سہیل ان کا تخلص تھا۔ زمیندار گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ ابھی ایک سال کے ہی تھے کہ ماں کی ممتا سے محروم ہو گئے۔ نانیہال کا گھرانہ خوشحال تھا، نانیہال ہی میں ابتدائی تعلیم و تربیت ہوئی۔ اس کے بعد اعلی تعلیم کے لئے گھر بار کو خیر باد کہہ کر مظفر پور کے لئے روانہ ہوئے۔ ضلع اسکول مظفر پور میں اس وقت علامہ جمیل مظہری کے والد سید خورشید حسین استاد کی حیثیت سے مامور تھے جو ایک بہترین ادیب کے ساتھ ساتھ بہترین شاعر بھی تھے۔ ان ہی کے زیر نگرانی سہیل عظیم آبادی کی تعلیم و تربیت ہوئی۔ چونکہ اکثر مشاعرے میں شریک ہوا کرتے تھے اسلئے شاعری کا شوق پروان چڑھا۔ ان کی اعلی تعلیم سے محرومی کا سبب بھی شاید یہی شاعری کا شوق تھا یا پھر آزادانہ طبیعت۔ بہر حال وہ شاعری کرنے لگے چونکہ ان کے استاد سید خورشید حسین خود ایک بہترین شاعر تھے اسلئے انہیں سے اپنے کلام کی اصلاح لی۔ پھر جمیل مظہری سے بھی کلام کی اصلاح لینے لگے۔ اس کے بعد سہیل عظیم آبادی کلکتہ چلے آئے۔ کلکتہ میں دوران قیام انھوں نے ایک افسانہ لکھا جو ایک مشہور رسالے میں شائع ہوا۔ جمیل مظہری نے افسانہ پڑھنے کے بعد سہیل عظیم آبادی کو افسانہ لکھنے کا مشورہ دیا۔ اس کے بعد انہوں نے شاعری کو ترک کر کے افسانہ لکھنا شروع کیا جو آگے چل کر ان کی شہرت کا ذریعہ بنا۔

سہیل عظیم آبادی پریم چند اسکول کے ایک اہم اور مستند افسانہ نگار تسلیم کیے جاتے ہیں۔ نقادوں نے بھی انھیں پریم چند اسکول کا نمائندہ افسانہ نگار کہا ہے۔ خود سہیل عظیم آبادی کہتے ہیں کہ ”میں جن افسانہ نگاروں سے متاثر ہوا ان میں سب سے پہلا نام منشی پریم چند کا ہے“۔ سہیل عظیم آبادی کی زبان سے نکلا یہ جملہ صرف زبانی جمع خرچ نہیں ہے بلکہ پریم چند اور سہیل عظیم آبادی کے افسانوں کو پڑھ کر دونوں کا موازانہ کریں تو آپ اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ سہیل عظیم آبادی کا یہ قول کہ میں پریم چند سے متاثر ہوں حرف بہ حرف درست ہے۔ سہیل عظیم آبادی کے اس قول کے تناظر میں میں صرف ایک مثال پیش کرتا ہوں۔

سہیل عظیم آبادی کا افسانہ الاؤ ایک اہم افسانہ ہے اور بہت مشہور و معروف بھی۔ اس میں دیہات کی زندگی اور وہاں بسنے والوں کی سوچ کی جس طرح عکاسی کی گئی ہے دوسرے افسانہ نگاروں بلکہ خود سہیل عظیم آبادی کے دوسرے افسانوں میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ ایک مختصر سی کہانی میں دیہات میں رہنے والوں کی زندگی کا نقشہ ایسے منظم طریقے سے کھینچ دیا گیا ہے کہ لوگوں کی توجہ خود بہ خود اس جانب مبذول ہو جاتی ہے۔ اسی طرح پریم چند کا افسانہ پنچایت ہے جس میں دیہات کی زندگی کے پہلوؤں کو نمایاں طریقے سے بیان کیا گیا ہے۔ جس طرح پریم چند کا افسانہ حقیقی زمین سے جڑا ہوا پنچایت ہے اسی طرح سہیل عظیم آبادی کا افسانہ الاؤ حقیقت پر مبنی ہے اور دونوں افسانوں میں جو ایک خاص بات ہے وہ دیہات کی زندگی کا موضوع ہے جو دونوں کو ایک صف میں لا کھڑا کرتا ہے۔ دونوں افسانوں کے مطالعے کے بعد جو قدر مشترک باتیں میری سمجھ میں آتی ہیں وہ یہ کہ دونوں زمینی حقائق کو اجاگر کرنے میں یقین رکھتے ہیں۔ دیہات میں رہنے والوں کی زندگی، کسانوں کی زندگی، غریبوں، مزدروں وغیرہ کی زندگی کو اپنے افسانے کا موضوع بناتے ہیں اور حقائق کی بھرپور عکاسی کرتے ہیں۔ رومانوی باتیں اور ادھر اُدھر کی باتیں کر کے افسانے کو دل بہلانے کا ذریعہ نہیں بناتے بلکہ اسے ایک

پیغام کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ کسان کسی بھی ملک کی معاشی حالت کو استحکام بخشنے میں اہم کردار نبھاتا ہے لیکن خود ان کی معاشی حالت ناگفتہ بہ رہتی ہے اور اس کی جانب زیادہ توجہ نہیں دی جاتی۔ پریم چند نے کسانوں پر بہت سارے افسانے لکھے ہیں اور ان کی حقیقتوں سے خاص وعام کو روشناس کرایا ہے۔ یہی صورت حال سہیل عظیم آبادی کے یہاں بھی موجود ہے۔ افسانہ الاؤ میں جہاں کسانوں کی زندگی اور ان کے خیالات کو قلمبند کیا گیا ہے وہیں افسانہ 'جینے کے لیے' میں بھی کسانوں کے خدوخال کی بھرپور عکاسی کی گئی ہے۔

افسانہ 'بدصورت لڑکی' ایک ایسی کم نصیب لڑکی کی کہانی جو بے حس انسانوں کی مردہ ضمیر کو جھنجھوڑ کر رکھ دینے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ سہیل عظیم آبادی نے اس افسانہ میں چندرا کے کردار کو اتنے موثر طریقے سے پیش کیا ہے جس کا کوئی جواب نہیں ہے۔ اس افسانے میں سہیل عظیم آبادی کی تخلیقی صلاحیت نکھر کر سامنے آئی ہے۔ چندرا ایک وکیل کی لڑکی ہے جو بہت ہی بدصورت ہے۔ کالی ہونے کے ساتھ ساتھ اس کے چہرے پر چیچک کا نہ مٹنے والا بدنما داغ بھی ہے۔ ان وجوہات کے سبب اس کی شادی نہیں ہو پاتی ہے۔ لوگ بھی چندرا کی بدصورتی دیکھ کر پھبتیاں کستے ہیں۔ کالج میں تعلیم کے دوران تو لڑکے ایسی ایسی باتیں چندرا کو کہتے ہیں کہ بدصورتی کا خوفناک احساس اس کے ذہین ودماغ میں پیوست ہو جاتا ہے۔ اتنا ہی نہیں اس کی بہن موہنا کا چھوٹا بیٹا بھی اس کی گود میں جانے سے اس لئے ڈرتا ہے کہ اس کی شکل خوفناک معلوم ہوتی ہے۔ بچہ کے ڈرنے کا واقعہ چندرا کے ایک ناول پڑھنے کے دوران پیش آتا ہے جو ایک جوان بیوہ کی کہانی ہے۔ اس کا تذکرہ کرنا یہاں مناسب نہیں کہ مجھے صرف افسانے کے اصل موضوع کی بات کرنی ہے۔ چندرا یوں توں صورت سے دیکھنے میں کریہہ معلوم ہوتی ہے مگر اخلاص ومحبت کا پیکر ہے۔ اس کی ہمدردی، اخلاص ومحبت اس وقت ظاہر ہوتی ہے جب اس کے اسکول کی ایک سہیلی کسم بہت بیمار ہو جاتی ہے اور اپنے شوہر اور بچوں کے ساتھ چندرا کے شہر میں علاج کے لیے آتی ہے۔ چندرا اس کے بچوں کی دیکھ ریکھ ماں کی طرح کرتی ہے۔ ادھر کسم کی حالت بھی قابل رحم ہو جاتی ہے اس دوران کسم اپنے شوہر سے چندرا کا ہمیشہ تذکرہ کرتی رہتی ہے۔ اس کا احساس اس کے شوہر کو بھی ہے۔ اس دوران کسم کی حالت اور بگڑ جاتی ہے جب اسے احساس ہو جاتا ہے کہ وہ نہیں بچے گی تو وہ اپنے شوہر کو چندرا سے شادی کر لینے کو کہتی ہے تاکہ اس کے بچے کی صحیح طریقے سے پرورش ہو سکے۔ کسم مر جاتی ہے۔ شوہر اپنے وطن واپس جانے کی تیاری کرنے لگتا ہے لیکن یہاں پر کسم کے شوہر کا ایک جملہ چندرا کو شدت سے اسکی بدصورتی کا احساس دلاتا ہے۔ کسم کا شوہر اپنے دونوں بچوں کو چندرا کو سونپ دیتا ہے اور اپنی زبان سے جو چند جملے ادا کرتا ہے ملاحظہ کیجئے۔ ماں بولتی ہے :

> ''تم نے کچھ سوچا ہے؟ بچوں کو دیکھنے والا کوئی نہیں۔ تم کو جلد ہی فیصلہ کرنا پڑے گا۔ یہاں تو چندرا بیٹی نے سنبھال دیا لیکن سدا تو وہ نہیں دیکھ سکے گی''۔
>
> مراری بابو کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے اور بولے۔
>
> ''ماں! کسم دونوں بچے چندرا کو دے گئی ہے، وہ انھیں کے ساتھ رہیں گے۔ چندرا بہن کے رہتے ہوئے مجھے بچوں کی طرف سے اطمینان ہے''۔

مراری بابو کی زبان سے نکلے ہوئے ایک لفظ 'بہن' نے چندرا کے ارمانوں کو پھر سے چکنا چور کر دیا۔ لفظ بہن نے کہانی کو ایک ایسے موڑ پر لا کھڑا کیا ہے جس کا کہانی کے مطالعے کے دوران کچھ اندازہ نہیں لگایا جا سکتا ہے۔ سہیل عظیم آبادی نے چندرا کی کہانی کو اتنے موثر انداز میں پیش کیا ہے کہ قاری بھی سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ چندرا کی کہانی سماج کی ایک ایسی تلخ حقیقت ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے۔ سماج کا یہ المیہ روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ افسانہ نگار کے طور پر سہیل کا نام آج بھی احترام سے لیا جاتا ہے اور آئندہ بھی سہیل عظیم آبادی کو فراموش نہیں کیا جا سکے گا۔